(گذشتہ سے پیوستہ)

تذکرۂ انبیاء

عَلَیۡهِمُ السَّلَامُ

از

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مغفور

باب سوم ـــــــــــــــ حضرت نوح علیہ السلام

فصل ۶، ۷

فصل ۶

اصلاح ناپذیر قوم کے لیے حضرت نوحؑ کی بددعا

قوم کی اصلاح ناپذیری کے متعلق حضرت نوحؑ کی عرضداشت

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۙ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝

اُس نے عرض کیا "اے رب میرے، میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز پکارا مگر میری پکار نے اُن کے فرار ہی میں اضافہ کیا۔ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تاکہ تو اُن کو معاف کر دے، انھوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لیے اور اپنی روش پر اَڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو ہانکے پکارے دعوت دی۔ پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (نوح - آیات ۵ تا ۱۴)

میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمھیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمھیں بنایا ہے۔

اُوپر حضرت نوح علیہ السلام کی وہ عرضداشت نقل کی گئی ہے جو انھوں نے اپنی رسالت کے آخری دور میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی کہ جتنا جتنا میں ان کو پکارتا گیا اتنے ہی زیادہ وہ دور بھاگتے چلے گئے۔ اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لیے۔ ایسا کرنے سے ان کی غرض یا تو یہ تھی کہ وہ حضرت نوحؑ کی بات سننا تو درکنار، آپ کی شکل بھی دیکھنا پسند نہ کرتے تھے، یا پھر یہ حرکت وہ اس لیے کرتے تھے کہ آپ کے سامنے سے گزرتے ہوئے منہ چھپا کر نکل جائیں اور اس کی نوبت ہی نہ آنے دیں کہ آپ انھیں پہچان کر ان سے بات کرنے لگیں۔ انھوں نے حق کے آگے سر جھکا دینے اور خدا کے رسول کی نصیحت قبول کر لینے کو اپنی شان سے گری ہوئی بات سمجھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بھلا آدمی کسی بگڑے ہوئے شخص کو نصیحت کرے اور جواب میں سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہو اور پاؤں پٹختا ہوا نکل جائے تو یہ تکبر کے ساتھ کلامِ نصیحت کو رد کرنا ہوگا۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس طویل کشمکش کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو حضرت نوحؑ کی دعوت اور ان کی قوم کے اصرار علی الکفر کے درمیان صدیوں برپا رہی۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے کہ اس کشمکش کا زمانہ ساڑھے نو سو برس تک ممتد رہا ہے۔ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (آیت ۱۴) حضرت نوحؑ نے اس زمانہ میں پُشت در پُشت ان کے اجتماعی طرزِ عمل کو دیکھ کر نہ صرف یہ اندازہ فرما لیا کہ ان کے اندر اب قبولِ حق کی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔ بلکہ یہ رائے بھی قائم کر لی کہ آئندہ ان کی نسلوں سے بھی نیک اور ایماندار آدمیوں کے اٹھنے کی توقع نہیں ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت نوحؑ کی اس رائے کو درست قرار دیا۔ اور اپنے علمِ کامل و شامل کی بنا پر فرمایا: لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (ھود-۳۶) "تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے، بس وہ لا چکے۔ اب کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اب ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑ دے۔"

حضرت نوحؑ نے اپنی دعاؤں میں خدا سے درخواست کی کہ صرف یہی فیصلہ نہ کر دے کہ حق پر کون ہے۔ اور باطل پر کون، بلکہ وہ فیصلہ اس شکل میں نافذ کر کہ باطل پرست تباہ ہو جائیں۔ اور حق پرست بچا لیے جائیں گے۔ یہ الفاظ کہ "مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو بچا لے" خود بخود اپنے اندر یہ مفہوم رکھتے ہیں کہ باقی لوگوں پر عذاب نازل کر اور انھیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دے۔

حضرت نوحؑ کی بددعا

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي
وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ
وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا
كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ
آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا
سُوَاعًا ۝ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ
وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ
وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝
(نوح - آیات ۲۱ تا ۲۴)

نوحؑ نے کہا "میرے رب، انھوں نے میری بات
رد کردی اور اُن (رئیسوں) کی پیروی کی جو مال اور
اولاد پاکر اور زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔ اِن لوگوں
نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے۔ انھوں
نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور
نہ چھوڑو وَدّ اور سواع کو اور نہ یغوث اور
یعوق اور نسر کو۔ انھوں نے بہت لوگوں کو گمراہ
کیا ہے، اور تو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی
چیز میں ترقی نہ دے۔"

آخری دعا جو نزولِ عذاب کے وقت مانگی

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى
الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝
إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ
وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝
(نوح - آیات - ۲۶ - ۲۷)

اور نوحؑ نے کہا "میرے رب، اِن کافروں
میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تُو نے
ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے
اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور
سخت کافر ہی ہوگا۔"

حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بددعا کسی بے صبری کی بنا پر نہ تھی بلکہ یہ اُس وقت اُن کی زبان سے نکلی تھی جب صدیوں تک تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد وہ اپنی قوم سے پوری طرح مایوس ہو چکے تھے۔ ایسے ہی حالات میں حضرت موسیٰؑ نے بھی فرعون اور قومِ فرعون کے حق میں یہ بددعا کی تھی کہ "پروردگار، اِن کے مال غارت کردے اور ان کے دلوں پر ایسی مُہر کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں" اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:

"تمھاری دعا قبول کی گئی"۔ (یونس، آیات ۸۸-۸۹) حضرت موسیٰؑ کی طرح حضرت نوحؑ کی یہ بددعا عین منشائے الٰہی کے مطابق تھی۔ چنانچہ سورۂ ہود میں ارشاد ہے۔ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ

إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ " اور نوح پر وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اُن کے سوا اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ اب ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑ دے۔

(ہود۔ ۳۶)

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ (الصّٰفّٰت۔ آیت ۷۵)	ہم کو اس سے پہلے نوح نے پکارا تھا تو دیکھو ہم کیسے اچھے جواب دینے والے ہیں۔

اس سے مراد وہ فریاد ہے جو حضرت نوح نے مدتہائے دراز تک اپنی قوم کو دعوتِ دینِ حق دینے کے بعد آخر کار مایوس ہو کر اللہ سے کی تھی۔ اس فریاد کے الفاظ سورۂ قمر میں اس طرح آئے ہیں:

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ (القمر۔ آیت ۱۰)	"اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں اب تو میری مدد کو پہنچ۔"

اپنے والدین اور اہل ایمان کے لیے نوح کی دُعا

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (نوح۔ آیت ۲۸)	میرے رب، مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے، اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے۔
وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعراء۔ آیت ۱۱۸)	"اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے۔"

فصل ۷

طوفان بطورِ عذاب

طوفان کے متعلق قرآن کا بیان

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ (ھود۔ آیت ۴۰)	یہاں تک کہ ہمارا حکم آگیا اور وہ تنور اُبل پڑا۔
فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۔ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (القمر۔ آیات ۱۱-۱۲)	تب ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا اور یہ سارا پانی اس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔

ایک تنور سے طوفان کی ابتداء

وَفَارَ التَّنُّوْرُ کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک صحیح وہی ہے جو قرآن کے صریح الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے کہ طوفان کی ابتدا ایک خاص تنور سے ہوئی جس کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، پھر ایک طرف آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگی اور دوسری طرف زمین میں جگہ جگہ سے چشمے پھوٹنے لگے۔ یہاں صرف تنور کے ابل پڑنے کا ذکر ہے اور آگے چل کر بارش کی طرف بھی اشارہ ہے۔ مگر سورۂ قمر میں اس کی تفصیل دی گئی کہ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ۔ "ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے جن سے لگاتار بارش برسنے لگی اور زمین کو پھاڑ دیا کہ ہر طرف چشمے ہی چشمے پھوٹ نکلے اور یہ دونوں طرح کے پانی اس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گئے جو مقدر کر دیا گیا تھا۔"

نیز لفظ "تنور" پر الف لام داخل کرنے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص تنور کو اس

کام کی ابتداء کے لیے نامزد فرما دیا تھا جو اشارہ پاتے ہی ٹھیک اپنے وقت پر اُبل پڑا اور بعد میں طوفان والے تنور کی حیثیت سے معروف ہوگیا۔

بعض لوگوں نے تنُّور سے مراد زمین لی ہے، بعض نے زمین کا بلند تر حصہ مراد لیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ فَارَ التَّنُّوْرُ کا مطلب طلوعِ فجر ہے اور بعض کی رائے میں یہ حمی الوطیس کی طرح ایک استعارہ ہے "ہنگامہ گرم ہوجانے" کے معنی میں۔ لیکن کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ قرآن کے الفاظ کو بغیر کسی قرینے کے مجازی معنوں میں لیا جائے جبکہ ظاہری مفہوم لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ الفاظ پڑھ کر ابتداءً جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ یہی ہے کہ کوئی خاص تنور پہلے سے نامزد کر دیا گیا تھا کہ طوفان کا آغاز اس کے نیچے سے پانی اُبلنے پر ہوگا۔ دوسرے کوئی معنی سوچنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ آدمی یہ ماننے کو تیار نہ ہو کہ اتنا بڑا طوفان ایک تنور کے نیچے سے پانی اُبل پڑنے پر شروع ہوا ہوگا۔ مگر خدا کے معاملات عجیب ہیں، وہ جب کسی قوم کی شامت لاتا ہے تو ایسے رُخ سے لاتا ہے کہ جدھر اس کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکتا۔

کیا یہ طوفان عالمگیر تھا؟

یہ طوفان جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ عالمگیر طوفان تھا۔ یا اس خاص علاقے میں آیا تھا جہاں حضرت نوحؑ کی قوم آباد تھی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا۔ اسرائیلی روایات کی بنا پر عام خیال یہی ہے کہ یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا (پیدائش ۷ : ۱۸-۲۴) مگر قرآن میں یہ بات کہیں نہیں کہی گئی ہے۔ قرآن کے اشارات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی انسانی نسلیں انہی لوگوں کی اولاد سے ہیں جو طوفانِ نوحؑ سے بچا لیے گئے تھے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا ہو، کیونکہ یہ بات اس طرح بھی صحیح ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک بنی آدم کی آبادی اسی خطہ تک محدود رہی ہو جہاں طوفان آیا تھا اور طوفان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئی ہوں، وہ بتدریج تمام دنیا میں پھیل گئی ہوں۔ اس نظریہ کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ دجلہ و فرات کی سرزمین میں تو ایک زبردست طوفان کا ثبوت تاریخی روایات سے، آثار قدیمہ سے اور طبقات الارض سے ملتا ہے لیکن روئے زمین کے تمام خطوں میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے کسی عالمگیر طوفان کا یقین کیا جا سکے۔ دوسرے یہ کہ روئے زمین کی اکثر و بیشتر قوموں میں ایک طوفانِ عظیم کی روایات قدیم زمانے سے مشہور ہیں، حتیٰ کہ آسٹریلیا، امریکہ، نیوگنی جیسے دور دراز علاقوں کی پرانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کسی وقت ان سب

قوموں کے آباؤ اجداد ایک ہی خطہ میں آباد ہوں گے، جہاں یہ طوفان آیا تھا۔ اور جب بعد ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ گئیں۔

ظالموں کے لیے کیفر کردار

فَاَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُونَ۔ (العنکبوت۔ آیت ۱۴)	آخرکار ان لوگوں کو طوفان نے آگھیرا۔ اِس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔

طوفان ان پر اس حالت میں آیا کہ وہ اپنے ظلم پر قائم تھے۔ دوسرے الفاظ میں اگر وہ طوفان آنے سے پہلے اپنے ظلم سے باز آجاتے تو اللہ تعالیٰ ان پر یہ عذاب نہ بھیجتا۔

قوم نوح پر عذاب کی کیفیت

مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ (نوح۔ آیت ۲۵)	اپنی خطاؤں کی بنا پر ہی وہ غرق کیے گئے اور آگ میں جھونک دیے گئے۔

غرق ہونے پر ان کا قصہ تمام نہیں ہوگیا، بلکہ مرنے کے بعد فوراً ہی ان کی روحیں آگ کے عذاب میں مبتلا کردی گئیں۔ یہ بعینہٖ وہی معاملہ ہے جو فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ کیا گیا جیسا کہ سورۂ مؤمن آیات ۴۵۔۴۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

اہل ایمان کی نجات

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ۔	ہم کو اس سے پہلے نوحؑ نے پکارا تھا، تو دیکھو
وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ	ہم کیسے اچھے جواب دینے والے تھے۔ ہم نے
الْعَظِيْمِ۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ۔	اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو کرب عظیم سے
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ۔	بچا لیا، اور اسی کی نسل کو باقی رکھا اور بعد کی
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ۔	نسلوں میں اس کی تعریف و توصیف چھوڑ دی۔
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔	سلام ہے نوحؑ پر تمام دنیا والوں میں ہم نیکی
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ۔	کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔

---

[1] حضرت نوحؑ نے عذاب سے نجات کے لیے اپنے لیے، اپنے والدین اور لواحقین کے لیے اور تمام اہلِ ایمان کے لیے جو دعا کی وہ سورہ نوح آیت ۲۸ میں ہے (مرتبین)۔ [2] یہی الفاظ سورۂ انبیاء کی آیت ۷۶ میں وارد ہے۔ (مرتبین)

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ٥ — درحقیقت وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا

(والصّٰفّٰت - آیات ۷۵ تا ۸۲) — پھر دوسرے گروہ کو ہم نے غرق کر دیا۔

کربِ عظیم سے مراد وہ شدید اذیت ہے جو ایک بدکردار ظالم قوم کی مسلسل مخالفت سے اُن کو پہنچ رہی تھی۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ جس طرح نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کو اس کربِ عظیم سے بچایا گیا تھا، اسی طرح آخرکار ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو اس کربِ عظیم سے بچالیں گے۔ جس میں اہلِ مکہ نے ان کو مبتلا کر رکھا ہے۔

طوفان کو تھم جانے کا فرمان

وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ — حکم ہوا "اے زمین! اپنا سارا پانی نگل جا اور

يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ — اے آسمان رُک جا۔" چنانچہ پانی زمین میں بیٹھ

الْاَمْرُ (ھود - آیت ۴۴) — گیا۔ فیصلہ چکا دیا گیا۔

اضافی نوٹ از مرتبین:-

اس آیت کا اندازِ خطاب گواہ ہے کہ کائنات کا فرمانروا پانی کی طوفانی قوت کو حکم دے رہا ہے کہ بس اب جو کام مطلوب تھا، ہو چکا، اب تھم جا! قرآن میں اس طرح کے متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں کا اندازِ کلام گواہ ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

پہلے پانی کو حکم دیا گیا تو ایک طرف سے زمین سے اُبل پڑا اور دوسری طرف آسمان سے برسنے لگا، یہاں تک کہ طوفان نے بلند و پست کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب اسے دوسرا حکم ملا تو وہ فوراً سمٹنے لگا اور اس کی لہروں کا زور ٹوٹنے لگا، یہاں تک کہ زمین پانی سے خالی ہو کر نو آبادکاری کے لیے تیار ہو گئی۔

یہ آیت منجملہ ان آیات کے ہے جن سے یہ حقیقت اہلِ نظر پر فاش ہوتی ہے کہ کائنات کی طبعی قوتیں اور عناصر کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ قوتیں اور عناصر جو عام حالات میں انسان کی خدمت میں مصروف ہیں، ان کو جونہی مالک الملک کا اشارہ ملتا ہے، وجہِ عذاب اور باعثِ ہلاکت بن جاتے ہیں۔ تباہ شدہ اقوامِ ماضیہ کی ہلاکت کا ذریعہ ہمیشہ طبعی عوامل ہی کو بنایا گیا ہے۔ طبعی حوادث کا رشتہ کسی نامعلوم اندھی قوت یا "اتفاق" سے جوڑنے والوں کی کوتاہ نظری ہے کہ وہ خدا کے حکیمانہ تصرف کا راز نہیں پا سکے۔